انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن (لنڈسے جونز) میں ذکر کردہ موضوع "خلافت" کا تنقیدی مطالعہ

A Critical Study of the Topic: "Caliphate" discussed in "Encyclopedia of Religion" (By: Lindsay Jones)

Sadna Zeb*

Prof. Rasheed Ahmed**

Abstract

In 21st century it is not so difficult to collect a lot of information with the help available various facilities. All the fields of knowledge can be explored very easily, but in the case of religion and theology a lot of interpretations as well as misconception are here on the globe of internet. Therefore in the field of religion or theology, it is very necessary to understand it with a book and the background of its writer to find the reality and facts. For the collection of complete knowledge the encyclopedia is the ultimate bank of data and information. *The Encyclopedia of Religion,* first published in 1987, is the so called best scholarly reference on religion. The contributors of this encyclopedia claim that "Our encyclopedia was not conceived as a dictionary, with entries covering the entire vocabulary in every field of religious studies. Rather, it was conceived as a system of articles on important ideas, beliefs, rituals, myths, symbols, and persons that have played a role in the universal history of religions from Paleolithic times to the present day."[1] We need to promote religious studies and inter faith dialogues, as religion is one of the basic needs of all human beings. For this purpose, the current research work is based upon the translation and analytical study of the proposed topic of the "Caliphate" which is discussed in the Encyclopedia of religion, which will be further reviewed in the light of Islamic teachings. The work will help to understand particularly the true concepts of Caliphate. As this encyclopedia is full of contradictive words about one issue; for example under the topic of Caliphate once the writer used the word Successor about the companion of the Prophet (S.A.W) and on another place he used the term "So called Rashideen" about the caliphs in the same article.

Keywords: The Encyclopedia of Religion, Caliphate, Islamic Concept, Authors view, Critical study

مقدمہ:

الحمدللہ وحدہ، والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ امابعد! یہ ایک مسلمہ ہے کہ انسانی عقل کلی طور پر کسی چیز کے پرکھنے کے لیے معیار نہیں ہو سکتی۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حیات انسانی کی رہنمائی کے لئے وقتاًفوقتاً اپنے برگزیدہ بندوں کو بھیجے کا بندوبست فرمایا اور گاہے بگاہے عقل سلیم کی سعی کو سراہ کر کوتاہ فہمی کی مذمت فرمائی۔تاکہ انسان اپنی عقلی فیصلے کی صحت و سقم کو حرف آخر نہ سمجھے اور نہ ہی اس کے ہاں عقل ہی کسی امر کی صحت و کمزوری کے لیے معیار ہو۔اور جہاں کہیں عقل کو ٹھوکر لگنے کا خدشہ ہو اس سے بروقت آگاہی کو قرآن و سنت سے جوڑنے کا درس دیا اور جب کوئی تنازع پیدا ہو تو ان دونوں اصولوں کی طرف رجوع کرنے اور حل کرانے کا حکم ہوا اور انہی تابندہ اصولوں پیروکاران

---

* Ph.D Research Scholor, Department of Uloom Islamiya, Shaikh Zaid Islamic Centre, University of Peshawar, Peshawar.

** Professor, Shaikh Zaid Islamic Centre, University of Peshawar, Peshawar.

اسلام نے کاربند رہ کر ترقی کے منازل کے تمام طے کیے۔ تاآنکہ جب ان قواعد سے روگردانی ہوئی تو مسلمان روبہ زوال ہوئے۔

انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن (لنڈسے جونز) کا مختصر تعارف:

انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن کو محققین کی ایک ٹیم نے چیف آڈیٹر لنڈسے جونز کی سربراہی میں مرتب کیا ہے جو کہ خود اوہائیو یونیورسٹی، متحدہ ریاست ہائے امریکہ کے شعبہ تقابل ادیان میں ایسوسی ایٹ پروفیسر کے طور پر درس و تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ اس انسائیکلوپیڈیا کو پہلی دفعہ ۱۹۸۷ء میں Mircea Eliade's کے نام سے شائع کیا گیا جب کہ دوسری دفعہ اس کو لنڈسے جونز کے نظر ثانی اور اضافہ کے ساتھ ۲۰۰۵ء میں انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن کے نام سے جاری کیا گیا۔ اس انسائیکلوپیڈیا کی ایک اہم خوبی یہ بھی ہے کہ اس کے طبع پر حقوق محفوظ رکھنے کی کوئی قدغن نہیں لگائی گئی۔ مذکورہ انسائکلوپیڈیا آف ریلیجن کسی حد تک عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق جدید مذہبی معلومات پر مشتمل ہے۔ انھوں نے اپنی زندگی کے کئی سال Mircea Eliade's کے نظر ثانی شدہ ایڈیشن انسائکلوپیڈیا آف ریلیجن کو editor-in-chief کے طور پر دئے ہیں، جو کہ اصل میں دو ہزار لوگوں کے تین ہزار دو سو (۳۲۰۰) سے زیادہ مقالہ جات کا مجموعہ ہے۔ اور اس کام کو امریکن لائبریری ایسوسی ایشن کی طرف سے ہر فن کا بہترین حوالہ جاتی مصدر بھی قرار دیا گیا تھا۔ لیکن اصولی طور پر اسی بات کے ساتھ مکمل اتفاق ممکن ہے یا نہیں تو اس کا فیصلہ ذیل کے مطالعہ سے بہ خوبی سمجھا جاسکتا ہے۔

انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن (لنڈسے جونز) کا منہج تالیف:

انسائکلوپیڈیا آف ریلیجن میں اسلام سمیت مختلف ادیان و مذاہب مثلاً: کیننائیٹ، بدھ مت، ہندومت، عیسائیت وغیرہ موضوع بحث رہی ہیں۔ اس انسائیکلوپیڈیا میں موضوعات کو حروف تہجی کی ترتیب میں جمع کیا گیا ہے جس طرح دوسرے دوائر المعارف میں کے عنوانات کو حروف تہجی کی ترتیب سے لکھے جاتے ہیں۔ یہ انسائکلوپیڈیا کل ۱۵ مجلدات پر مشتمل ہے جس میں ہر مجلد کی ضخامت تقریبا ۵۰۰ صفحات ہیں۔ لنڈے جونز نے اس انسائکلوپیڈیا میں کسی محقق کے ایک آرٹیکل کو لیا ہوتا ہے جس میں محقق نے اس موضوع کو مختلف جوانب سے اور مختلف مذاہب کے تعلیمات کی روشنی میں ذکر کیا ہوتا ہے۔ لنڈے جونز کا کام صرف اس میں مختلف آرٹیکلز کو جمع کر کے اس کو اس انسائکلوپیڈیا میں شائع کرنا تھا۔ آرٹیکلز کی علمی قدر و منزلت کے حوالہ سے لنڈے جونز مکمل طور پر غیر جانب دار رہے ہیں۔ ہر لکھاری نے خود ہی اپنے آرٹیکل کے حوالہ جات کا ذکر "Bibliography" کے عنوان کے نیچے کیا ہے جس میں اس نے مختلف کتابوں اور شخصیات وغیرہ سے استفادہ کیا ہوتا ہے۔

اسلامی تصور خلافت:

خلافت کا لفظی معنٰی نیابت ہے جو قرآن کریم میں حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام کے حوالہ سے آیا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے اللہ رب العزت نے فرشتوں سے فرمایا کہ:

"انی جاعل فی الأرض خلیفة"

میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔

اور اسی طرح سیدنا داؤد علیہ السلام سے رب کائنات نے فرمایا:

"انا جعلناک خلیفة فی الارض"

ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے۔

سیدنا آدم علیہ السلام کی خلافت کا معنٰی بعض مفسرین بیان فرماتے ہیں کہ زمین پر پہلے جن بستے تھے، ان کی جگہ زمین کا نظام انسانوں کے حوالہ کر دیا گیا۔ یہ بات مشاہدہ میں بھی ہے کہ زمین پر بسنے والے ہزاروں قسم کے جانوروں میں سے زمین کے معاملات میں تصرف انسان ہی کر رہا ہے سیدنا داؤد علیہ السلام کو خلیفہ قرار دے کر انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ ''لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلے کرو اور خواہش کی پیروی نہ کرنا''۔

سیدنا رسول اللہ ﷺ نے خلافت کو سیاسی نظام کے طور پر بیان فرمایا ہے، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: کانت بنو اسرائیل تسوسهم الانبیاء۔ کہ بنی اسرائیل میں سیاسی قیادت سادات انبیاء کرام علیہم السلام فرمایا کرتے تھے، وہ خود حکمران ہوتے تھے یا حکمران کا تعین ان کے حکم سے ہوتا تھا، جیسا کہ جابر بادشاہ جالوت کے مقابلہ کے لیے بنی اسرائیل نے اپنے وقت کے پیغمبر سے درخواست کی کہ ان کے لیے بادشاہ کا تقرر کیا جائے تاکہ وہ اس کی قیادت میں جابر بادشاہ کا مقابلہ کر سکیں، چنانچہ ان کے پیغمبر سیدنا سموئیل علیہ السلام نے طالوت کو ان کا بادشاہ مقرر کر دیا۔ سیدنا رسول اللہ ﷺ نے اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل میں سیاسی معاملات حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نمٹایا کرتے تھے، اس سے سوال پیدا ہوا کہ نبی اکرم ﷺ خاتم النبیین ہیں اور آپ ﷺ کے بعد کسی نئے نبی کے آنے کا کوئی امکان نہیں ہے تو پھر آپ ﷺ کے بعد سیاسی نظام کس کے ہاتھ میں ہوگا۔ اس لیے مذکورہ بالا جملہ کے ساتھ ہی نبی اکرم ﷺ نے فرما دیا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا ستکون بعدی خلفاء البتہ میرے بعد خلفاء ہوں گے جو اس سیاسی نظام کو سنبھالیں گے۔ اس طرح جناب نبی اکرم ﷺ نے خلافت کو امت مسلمہ کے سیاسی نظام کے طور پر بیان فرمایا ہے اور اسلام کے سیاسی نظام کو عنوان خلافت یا امامت سے متعارف کرایا۔

امامت و خلافت کی اصطلاحی تعریف:

مختلف اہل علم نے امامت کی مختلف تعریفیں کی ہیں:

ا۔ چنانچہ امام نسفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''نیابتهم عن الرسول فی إقامة الدین بحیث یجب علی کافة الإمم الاتباع ''[2].

امامت اقامت دین کے سلسلہ میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کو کہتے ہیں، بایں حیثیت کہ تمام امت پر اس کی اتباع واجب ہے۔

۲۔ شرح مقاصد'' میں ہے:

"وهي رياسة عامة في أمر الدين والدنيا خلافة عن النبي"[3].

اور وہ دین و دنیا کے معاملہ میں ریاست عامہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت کو کہتے ہیں۔

۳۔ اور امام ماوردیؒ فرماتے ہیں:

"الإمامة موضوعة لخلافة النبوة في حراسة الدين وسياسة الدنيا به"[4]

امامت دین کی حفاظت اور دنیاوی معاملات کی انجام دہی کے لیے نبوت کی نیابت کے طور پر وضع کی گئی ہے۔

۴۔ جب کہ امام الحرمین علامہ جوینیؒ نے امامت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"الإمامة رياسة تامة، وزعامة تتعلق بالخاصة والعامة في مهمات الدين والدنيا "[5].

امامت اس ریاست تامہ اور زعامت کو کہتے ہیں جس کا تعلق دین و دنیا کے اہم معاملات میں ہر خاص و عام سے ہو۔

۵۔ علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں:

"هي حمل الكافة علىٰ مقتضى النظر الشرعي في مصالحهم الأخروية والدنيوية الراجعة اليها، اذ أحوال الدنيا ترجع كلها عند الشارع إلىٰ اعتبارها بمصالح الاخرة، فهي في الحقيقة خلافة عن صاحب الشرع في حراسة الدين وسياسة الدنيا به"[6].

شرعی نقطہ نظر سے تمام لوگوں کو ان کے مصالح اخروی اور ایسے مصالح دنیوی پر ابھارنا ہے جو آخرت کی طرف لوٹنے والے ہیں، اس لیے کہ دنیا کے تمام احوال در حقیقت شارع کے نزدیک مصالح آخرت کی طرف لوٹتے ہیں، پس وہ (امامت و خلافت) در حقیقت دین کا نفاذ اور دنیاوی سیاست کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت و نیابت ہے۔

درج بالا اقوال کا بنظر غائر مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ الفاظ اور تعبیر میں اگرچہ فرق ہے، مگر معنی اور مطلب سب کا ایک ہی ہے، یعنی امامت اور خلافت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب کی حیثیت سے دین کو قائم کرنا، اس کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دینا اور دنیاوی معاملات میں لوگوں کے مصالح کے مطابق شریعت کی روشنی میں ان کی راہ نمائی کرنے کو کہتے ہیں۔

اصطلاح شرع میں "امام" سے مسلمانوں کا خلیفہ اور ان کا حاکم مراد ہوتا ہے، نماز میں امامت اور امام المسلمین میں فرق کرنے کے لیے خلافت و امامت کو کبھی امامت عظمیٰ اور کبھی امامت کبریٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ امام ابن حزمؒ کے مطابق جب مطلقاً لفظ "الامامة" بولا جائے تو اس سے امامت کبریٰ، یا امامت عامہ (یعنی خلافت) مراد ہوتی ہے۔

خلافت کے قیام کی دو عملی صورتیں:

آج کے دور میں خلافت کے قیام اور خلیفہ کے انتخاب کی دو ہی صورتیں قابل عمل ہیں۔ ایک یہ کہ کسی مسلم ریاست کے عوام یا ان کے منتخب نمائندے خلافت کو اپنے ملک کا نظام قرار دے کر باقاعدہ خلیفہ کا انتخاب کر لیں۔ اور دوسری یہ کہ کوئی اہل شخص کسی مسلم ریاست میں اقتدار پر قبضہ کر کے خلافت کے نظام کے قیام کا اعلان کرے اور عوام اسے بطور خلیفہ قبول کر لیں۔ اس کے سوا کوئی صورت آج کے دور میں

ممکن اور قابل عمل نہیں ہے۔

انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن (لنڈ سے جونز) کا خلافت کے متعلق تصورات:

اس تحقیق کا مقصد انسائکلوپیڈیا آف ریلیجن میں واقع اس مقالہ میں مقالہ نگار کی تصور خلافت کا اسلامی نقطۂ نظر برائے خلافت کی روشنی میں جائزہ لینا ہے تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ مصنف مذکور کس حد تک اسلامی اصولوں کے کاربند رہے ہیں اور کتنا اس سے ہٹ کر رہے ہیں۔ ترقی کے اس دور میں مغرب کو قبولیت عام حاصل ہے، اس لئے سائنسی ترقی کے ساتھ ان کے علمی ادب کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ مذاہب عالم کا عمومی معاملہ ہو یا تقابل ادیان کے دقیق مسائل پر تحقیق مطلوب ہو مغرب میں Encyclopedia of Religion کی عبارات کو انتہائی معتبر سمجھا جاتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس سلسلے میں انسائکلوپیڈیا میں مذکورہ موضوع "خلافت" کا اسلامی تناظر میں علمی جائزہ لیا جائے اور اس کی علمی صحت و سقم معلوم ہو جائے۔ اور نئی علمی و فکری جہتوں کو جلا بخش کر، بین الادیان اور بین المذاہب افہام و تفہیم کی فضاء کو استوار کیا جاسکے۔

اس تحقیق کا طریقہ کار بیانیہ ہے۔ اس تحقیقی کام کا نمط چونکہ تحقیق و تجزیہ ہے اس لیے جہاں بات صحیح و مصیب معلوم ہوئی اس کی تائید اور جہاں پر غلطی آئی وہاں پر دلائل کی روشنی میں جانچ کر تردید کی جائے گی۔

لنڈ سے جونز کے تصورات خلافت کا شرعی جائزہ:

مقالہ نگار لکھتے ہیں کہ:

الف۔ ۔۔"کاملین" کا وہ مکتب و جماعت جس کی قیادت مسلمانوں کے رہنما (سیدنا) محمد (ﷺ) نے کی، ایک نایاب اسلامی ادارہ ہے۔

مقالہ نگار کی آراء کا جائزہ:

درج بالا عبارت کا بغور مطالعہ کرنے سے دو نقاط سامنے آجاتے ہیں کہ:

ا۔ انھوں نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے متعلق لفظ کاملین استعمال کیا ہے وہ اسلامی ارشادات کے عین مطابق ہے جو ان کو من جانب اللہ عطا کی گئی ہے جیسا کہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا یکجا عمل اتفاق اور ہدایت کی نشانی ہے۔ سادات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پاکیزہ برگزیدہ جماعت کے ذریعہ اسلام کا تعارف بھی کرا دیا گیا اور رسول عربی ﷺ کی سیرت طیبہ اور سنت کو عام کیا گیا۔ خود معلم انسانیت محمد عربی ﷺ نے اپنے جاں نثار اطاعت شعار صحابہ کی تربیت فرمائی تھی۔ صحابہ کرام نے اول اول، زبان رسالت سے آیات اللہ کو ادا ہوتے سنا تھا اور کلام رسول ﷺ کی سماعت کی تھی پھر دونوں کو دیانت و امانت کے ساتھ اسی لب و لہجہ اور مفہوم و معانی کے ساتھ محفوظ رکھا اور بحکم رسول عربی ﷺ اس کو دوسروں تک پہنچایا کیونکہ حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضور ﷺ نے ان کو تبلیغ دین کا مکلف بنایا کر فرمایا تھا:

بلغو عنی ولو آیة [7]۔

یعنی: میری جانب سے لوگوں کو پہنچادو اگرچہ ایک آیت ہی ہو۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو درسگاہ نبوت میں حاضری کا مکلف ایک خاص حکم کے ذریعہ بنایا تھا کہ ہر وقت ایک متعدبہ جماعت، اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں اسلام سیکھنے کیلئے حاضر رہے اس لئے کہ کب کوئی آسمانی حکم اور شریعت کا کوئی قانون عطا کیا جائے، لہٰذا ایک جماعت کی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضری لازمی تھی اور ان کو بھی حکم تھا کہ جو حضرات خدمت رسالت ﷺ میں موجود نہیں ان تک ان نئے احکام اور آیات کو پہنچائیں: "اور مسلمانوں کو نہیں چاہئے کہ سب کے سب چلے جائیں، تو کیوں نہ ہر فرقہ میں سے ایک جماعت نکلتی جو دین میں مہارت ورسوخ حاصل کرتی اور تاکہ اپنی قوم کو ڈرائیں جب کہ وہ ان کے پاس لوٹ کر آئیں، ہو سکتا ہے کہ وہ ڈریں۔"[8]۔

حقیقت تو یہ ہے کہ صحابہ کرام سے محبت وعقیدت کے بغیر رسول اللہ ﷺ سے سچی محبت نہیں ہو سکتی اور صحابہ کرام کی پیروی کئے بغیر سیدنا رسول اللہ ﷺ کی پیروی کا تصور محال ہے کیونکہ صحابہ کرام نے جس انداز میں زندگی گزاری ہے وہ عین اسلام اور اتباع سنت ہے اور ان کے ایمان کے کمال وجمال، عقیدہ کی پختگی، اعمال کی صحت واچھائی اور صلاح وتقویٰ کی عمدگی کی سند خود رب العالمین نے ان کو عطا کی ہے اور معلم انسانیت ﷺ نے اپنے قول پاک سے اپنے جاں نثاروں کی تعریف وتوصیف اور ان کی پیروی کو ہدایت وسعادت قرار دیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی انسان تھے، ان سے بھی بہت سے مواقع پر بشری تقاضوں کے تحت لغزشیں ہوئی ہیں لیکن لغزشوں، خطاؤں، گناہوں کو معاف کرنے والی ذات اللہ کی ہے۔ اس نے صحابہ کرام کی اضطراری، اجتہادی خطاؤں کو صرف معاف ہی نہیں کیا بلکہ اس معافی نامہ کو قرآن کریم کی آیات میں نازل فرما کر قیامت تک کیلئے ان نفوس قدسیہ پر تنقید وتبصرہ اور جرح وتعدیل کا دروازہ بند کر دیا۔ ارشاد ربانی ہے "بیشک جو لوگ اپنی آوازوں کو رسول اللہ (ﷺ) کے سامنے پست رکھتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کیلئے خالص کر دیا ہے، ان لوگوں کیلئے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔" [9]

قرآن مجید کی بہت سی آیتوں میں اس کی تصریحات ہیں جن میں چند آیات اسی سورۃ میں آچکی ہیں:

لقد رضی اللہ من المؤمنین [10]۔

ان کے علاوہ بہت سی آیات میں یہ مضمون مذکور ہے:

یوم لا یخز اللہ النبی والذین آمنو معہ[11]

اور اسی طرح:

والسابقون الاولون من المھاجرین والانصاروالذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ واعد لھم جنت تجری تحتھا الانھر[12]۔

سورہ حدید میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کے بارے میں فرمایا ہے:

وکلا وعد اللہ الحسنی[12]۔

" ان سب سے اللہ تعالیٰ نے حسنیٰ کا وعدہ کیا ہے۔"

سورہ انبیاء میں حسنیٰ کے متعلق فرمایا:

ان الذین سبقت لھم منا الحسنی اولٓئک عنھا مبعدون[13]۔

"جن لوگوں کیلئے ہماری طرف سے حسنیٰ کا فیصلہ پہلے ہو چکا ہے وہ جہنم کی آگ سے دور رکھے جائیں گے۔

اہل سنت والجماعت کا بنیادی عقیدہ ہے کہ صحابہ کرام سے محبت کی جائے، ان کے ایمان و سچائی کی گواہی دی جائے، انہیں باعفت، امانت دار، اور ہمہ قسم کے شر سے محفوظ جانا جائے، اسی طرح فرد واحد یا تمام صحابہ کرام کی شان میں گستاخی کرنا تباہی و بربادی اور صراط مستقیم سے دور ہونے کا باعث ہے۔

۲۔ دوسرا نقطہ یہ عیاں ہوتا ہے کہ مقالہ نگار نے سیدنا رسول اللہ ﷺ کے لیے مسلمانوں کے رہنما کا لفظ استعمال کیا ہے جو درج ذیل وجوہ کی وجہ سے غلط ہے:

اگر اس سے مصنف کی مراد سیدنا محمد ﷺ کا صرف مسلمانوں کا رہنما ہونا ہے تو یہ بات قرآن کی اس آیت کی رو سے غلط ثابت ہو رہی ہے جس سے سیدنا محمد کا تمام دنیا کے لئے اللہ کی طرف سے ہادی اور بشیر و نذیر بنا کر بھیجنا ثابت ہوتا ہے۔

ما أرسلناك إلا كافة للناس بشيرا ونذيرا ولكن أكثر الناس لايعلمون[14]

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قل يا أيها الناس إني رسول الله إليكم جميعا[15]

اور:

تبارك الذي نزل الفرقان على عبده ليكون للعالمين نذيرا[16]

یعنی فرمانبردار لوگوں کو جنت کی بشارت دے اور نافرمانوں کو جہنم سے ڈرائیں۔

اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی روایت ہے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " : أعطيت خمسا لم يعطهن أحد من الأنبياء قبلي : نصرت بالرعب مسيرة شهر . وجعلت لي الأرض مسجدا وطهورا ، فأيما رجل من أمتي أدركته الصلاة فليصل . وأحلت لي الغنائم ، ولم تحل لأحد قبلي . وأعطيت الشفاعة . وكان النبي يبعث إلى قومه، وبعثت إلى الناس عام" [17]

ب۔ آگے لکھتا ہے:

۶۳۲ھ میں (سیدنا) محمد (ﷺ) کی وفات کے وقت وہاں ایک خود کار حکومت ، ایک طاقتور معاشرہ یا امت قائم تھی۔ اس کو (سیدنا) محمد (ﷺ) نے اس وحی کی موافقت سے تشکیل دی تھی جو انہیں موصول ہوئی تھی-----

مقالہ نگار کی آراء کا جائزہ:

موصوف مقالہ نگار کی عبارات اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مصداق ہے کہ:

وأنزلنا إليك الذكر لتبين للناس ما نزل إليهم[18]

اور ہم نے تم پر یہ کتاب نازل کی ہے تاکہ جو (اشارات) لوگوں پر نازل ہوتے ہیں وہ ان پر ظاہر کر دو۔"

اللہ پاک کے حکم کی تعمیل میں آپ کمر بستہ ہو گئے ظاہر ہے کہ جو شریعت آپ پر نازل ہوئی۔ بالعموم آپ نے وضاحت کے ساتھ اس کو لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ لیکن نماز کی اہمیت کے پیش نظر اس کو دیگر ارکان وغیرہ سے بھی زیادہ واضح شکل میں پیش کیا اور قولاً فعلاً اس کا عام پرچار کیا۔ یہاں تک کہ ایک بار آپ نے منبر پر نماز کی امامت کرائی۔ قیام رکوع منبر پر کیا نماز سے فارغ ہو کر فرمایا میں نے اس طرح اس لیے کیا ہے تاکہ نماز کے ادا کرنے میں تم میری اقتداء کر سکو اور نماز کی کیفیت معلوم کر سکو۔ نیز اس سے بھی زور دار الفاظ میں اپنی اقتداء کو واجب قرار دیتے ہوئے فرمایا: صلوا كما رأيتموني أصلي تم نے اسی طرح نماز ادا کرنی ہوگی جس طرح تم مجھے نماز ادا کرتے دیکھ رہے ہو۔

ج: مزید لکھتا ہے:

اور اس کی زندگی کے آخر تک اس کی عارضی اور روحانی اختیارات بے داغ رہے تھے: آپ لوگوں کے گورنر تھے، ان کے اندرونی تنازعات کے ثالث، فوجی قوت کے سپہ سالار اور حکمت عملی کے ماہر تھے۔ آپ نے لوگوں کو اپنے دور دراز کے قبیلوں اور علاقوں میں نمائندہ کے طور پر بھیجا۔

مقالہ نگار کی آراء کا جائزہ:

سیدنا رسول اللہ ﷺ کی اسی منصب کی طرف اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں اشارہ فرمایا ہے کہ:

فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في أنفسهم حرجًا مما قضيت ويسلموا تسليما[19]

یعنی تمام لوگوں پر یہ لازم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی جدالات میں حکم مان کر ان سے بخوشی اپنے فیصلہ کرائیں اور تاحیات ان فیصلوں کو تسلیم کریں۔

د: مزید لکھتا ہے:

(سیدنا) محمد (ﷺ) کی وفات امت کے لئے ایک چونکا دینے والا سانحہ، بلکہ ایک نا قابل تصور واقعہ تھا۔ مسلمان دفعتاً الٰہی رہنمائی اور (سیدنا) محمد (ﷺ) کی دلکش حاکمیت سے محروم ہو گئے۔ باوجود اس کے کہ وہ کافی حد تک اسلامی رنگ میں رنگ چکے تھے یہاں تک کہ ان اخلاقی بنیادوں پر اپنا ایک مثالی معاشرہ بنا دے۔ لیکن اس معاشرے میں قیادت کے لئے کون تھا؟ ان کے اختیارات کا کیا بننا تھا؟ خلافت، اس کا ایک ادارتی جواب تھا جو کہ تمام مسلمانوں کو ایک ہی جماعت کے لئے دنیاوی قیادت کے اظہار کے طور پر آمادہ کر سکے۔ تاہم یہ خیال ایک بحران کے جواب میں ابھر کر سامنے آیا خاص طور پر کسی قرآنی بنیاد کی غیر موجودگی میں ابھرتے ہوئے مشق کو ایک مخصوص شکل دینا۔

مقالہ نگار کی آراء کا جائزہ:

یہ یقیناً ایک نہایت دل آویزی اور خفگی اور غم و اندوہ کا مقام تھا یہاں تک کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حواس باختہ ہو کر کہا کہ اگر کوئی کہے کہ رسول اللہ (ﷺ) وفات پا گئے ہیں تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ پھر سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آکر خطبہ دیا اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو تنبیہ بھی کی اور تسلی بھی دی۔

رہی ان کی یہ بات کہ کسی قرآنی آیت کی غیر موجودگی میں ابھرتے ہوئے مشق کو ایک مخصوص شکل دینا۔ تو اگر مقالہ نگار کا مقصد کسی آیت کی صراحت ہو تو ٹھیک ہے ورنہ بہ تقاضائے آیت کریمہ:

يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله وكونوا مع الصادقين[20]

کہ ایمان والوں اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کا ساتھ دو۔

یہ قرآنی آیت ایک عمدہ مصداق تھا کہ اس امت عظیمہ کے الصدیق کا ساتھ کر اس کی بیعت کا اعلان کیا جائے۔ اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اجماعی عمل اس بات کی دلیل تھی کہ ان کا انتخاب اس آیت الٰہی کی روشنی میں تکمیل پائی ہے۔

ر: مزید لکھتا ہے:

"تاہم اس منصب کو سنبھالنے والے خلفاء کی توجہ کا مرکز نہ صرف انفرادی اور اخلاقی خوبیاں تھیں بلکہ ادارے کے کردار کو تقویت دینا بھی تھا، ان اختلافات میں عمل پیرا قوتوں کو تجزیہ و تحلیل کے مقاصد کے لئے یوں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔"

مقالہ نگار کی آراء کا جائزہ:

مصنف نے خلافت کے قیام کی اہمیت کو بیان کیا ہے جو از حد ضروری ہے اور اسی اہمیت پیش نظر امام شاہ ولی اللہ نے اس کی فرضیت کے کچھ دلائل پیش کیے ہیں۔

سیدنا محمد ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام نے سب سے پہلے خلیفہ کا انتخاب کیا تھا، حتیٰ کہ جناب نبی اکرم ﷺ کی تدفین پر بھی اسے مقدم کیا تھا، اسے فقہاء کرامؒ نے اہم الواجبات سے تعبیر کیا ہے اور صحابہ کرام کا اس پر مکمل اجماع ہوا ہے جو کسی چیز کے فرض اور واجب ہونے کی واضح دلیل ہے۔ شاہ صاحبؒ نے دوسری دلیل یہ دی ہے کہ قرآن کریم کے بہت سے صریح احکام حکومت کے قیام پر موقوف ہیں۔ مثلاً حدود و قصاص کا نفاذ، امن و انصاف کا قیام، بیت المال اور زکوٰۃ کا نظام، جہاد کا تسلسل اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا اجتماعی نظام حکومتی سسٹم کا تقاضہ کرتا ہے۔[21]

خلیفہ کا تقرر مسلمانوں کی ذمہ داری ہے، شرعی حکومت کا قیام اور امیر المؤمنین کی تعیین کرنا مسلمانوں پر واجب ہے، امت کا سواد اعظم اس بات پر متفق ہے کہ نصب امام (امیر المؤمنین) واجب ہے۔[22]

س: مزید لکھتا ہے:

"اکثر سنیوں کا خلافت کی ابتداء کے بارے میں یہ خیال ہے کہ (سیدنا) محمد (ﷺ) نے مستقبل کی امت کے لئے کوئی ہدایات نہیں چھوڑے تھے آپ کی وفات کے بعد معاشرے کو مایوسی کی حالت میں ایک مستند رہنما کی ضرورت تھی کیونکہ وہ اندرونی اختلافات جو پیغمبر (ﷺ) نے ختم کئے تھے، قبائلی فعالیت میں دوبارہ سر اٹھانے لگے۔ مسلمانوں کا بنیادی مجموعی خیال جو سامنے آیا وہ یہ تھا کہ (سیدنا) ابو بکر (رضی اللہ عنہ) جو سب سے اول اور سب سے زیادہ معزز تھے، کو اپنا رہنما مقرر کیا جائے۔ آیا ان کو رسول اللہ (ﷺ) کے خلیفہ کے طور پر پہلے سے نامزد کیا گیا تھا یا نہیں؟ واضح نہیں ہے۔"

مقالہ نگار کی آراء کا جائزہ:

مقالہ نگار کا یہ موقف کہ آیا سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ (ﷺ) نے خلیفہ کے طور پر پہلے سے نامزد کیا گیا تھا یا نہیں؟ واضح نہیں ہے چنداں بھی قابل التفات نہیں کیوں کہ ابو بکر کے حوالے سے ایسے بہت سے اشارات دیے گئے تھے جن میں سے چند قرآن میں ذکر کئے گئے ہیں، جن سے صریح پتہ چلتا ہے کہ نبی ﷺ اپنے بعد کس صحابی کو خلافت کا حق سپرد کرنا چاہ رہے تھے۔ مثلاً:

۱۔ قرآن میں ان کو ثانی اثنین کے لقب سے مخاطب کیا گیا ہے۔

۲۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو امیر حج مقرر کیا تھا۔

۳۔ امامت صغری ان کو دیا گیا تھا اور نبی ﷺ کی زندگی مبارک میں تقریباً سترہ نمازوں کی امامت کی تھی۔

۴۔ نبی ﷺ نے مسجد نبوی کی طرف کھلے ہوئے سوائے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دروازے کے سارے صحابہ کرام کے گھروں کے دروازے بند کرنے کا حکم دیا۔[23]

۵۔ یہ کہ جو امامت صغری کے اہل ہوتے ہیں وہ امامت کبری کے بھی اہل ہوتے ہیں۔[24]

نبی کریم ﷺ کے یہ اقدامات آپ کی خلافت کی طرف واضح اشارات تھے۔ خلافت ابو بکر صدیق کی تعیین بہت ساری احادیث اور قرآنی آیات سے واضح ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ اس خلافت پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا اجماع ہوا ہے جو کہ بذات خود ایک شرعی دلیل ہے۔ کیونکہ جس طرح اقامت خلیفہ پر اجماع منعقد ہوا اس طرح تعیین خلیفہ پر بھی اجماع کا انعقاد واضح ہے۔

ص: مزید لکھتا ہے:

ابھرتی ہوئی سنی نظریہ کو بطور خلیفہ مکہ کے معزز قبیلہ قریش سے تعلق رکھنے والے ایک بالغ مرد کی ضرورت تھی۔ سنیوں کے معیار خلافت میں جسم اور روح کی صفائی، علم دین، پارسائی اور دیانت داری کا بار بار ذکر ہوا ہے:

مقالہ نگار کی آراء کا جائزہ:

خلیفۂ وقت کے لیے قرشیت کا شرط نبی ﷺ کے اس فرمان کے مطابق ضروری ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

الأئمة من قريش، إن لهم عليكم حقا، ولكم عليهم مثل ذلك، ما إن استرحموا رحموا، وإن عاهدوا وفوا، وإن حكموا عدلوا، فمن لم يفعل ذلك منهم فعليه لعنة الله، والملائكة، والناس أجمعين.[25]

ط: مزید لکھتا ہے:

عام طور پر سنی (مکتبۂ فکر) خلیفہ کے مندرجہ ذیل فرائض بیان کرتے ہیں: اسلامی حلقہ کا دفاع کرنا اور ممکنہ طور پر اس میں توسیع کرنا، شریعت کی پیروی کرنا جو کہ مسلمانوں کا طرز عمل ہے، قانون اور احکام کے نفاذ کو یقینی بنانا تاکہ مسلمان امن اور تحفظ کی حالت میں شریعت کو سمجھ سکے، اصولی قوانین کو جمع کرنا، اور عمومی طور پر منتخب شدہ وزراء کے مشورہ سے امت کے انتظامی امور کو سنبھالنا۔

مقالہ نگار کی آراء کا جائزہ:

مقالہ نگار نے جو امور خلیفہ المسلمین کی ذمہ داریوں میں سے گردانا ہے یہی اسلام کا تقاضا ہے۔

ع: آگے لکھتا ہے:

شیعی تصور خلافت اس کی بنیاد اور اس کے ذریعہ سے پیدا شدہ نتائج کے لحاظ سے سنی تصور خلافت سے مختلف ہے۔ قرآن مجید کے کچھ آیات اور منتخب احادیث کے مطابق شیعہ حضرات یہ دلیل دیتے ہیں کہ (سیدنا) محمد (ﷺ) نے اپنے چچازاد، داماد اور بچوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے (سیدنا) علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ شیعوں کے مطابق جیسے ہی (سیدنا) محمد (ﷺ) کی وفات ہوئی تو آپ (ﷺ) کے ساتھیوں میں سے ایک سازش نے (سیدنا) علی (رضی اللہ عنہ) کے حق سے انکار کیا اور لوگوں کو غلطی میں غوطہ زن کیا۔ حالانکہ (سیدنا) محمد (ﷺ) نے خود (سیدنا) علی (رضی اللہ عنہ) کو منتخب کیا تھا۔

مقالہ نگار کی آراء کا جائزہ:

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت پر مہاجرین وانصار کا اجماع ہے۔ چند ایک صحابہ کے علاوہ تمام صحابہ نے بیعت فرمائی۔ لیکن ان کا یہ تخلف بھی بتقاضائے بشریت تھا نہ کہ کسی اور کام کی طمع ولالچ۔ اس کی بڑی دلیل یہ ہے کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے اس تخلف کی وجہ مجلس بیعت میں ان کی عدم موجودگی بتائی کہ میری عدم موجودگی میں کیوں یہ بیعت ہوئی۔ جیسا کی امام طبری کے اقوال سے یہ بات واضح ہے۔[26]

ف: مزید لکھتا ہے:

(سیدنا) علی (رضی اللہ عنہ) چوتھے خلیفہ بن گئے، برائے نام راشدین یا "صحیح راستے والے" خلفاء میں سب سے آخری۔ لیکن اس کے سابقہ پیش رو قبیلہ بنو امیہ (سیدنا) عثمان بن عفان (رضی اللہ عنہ) (۶۴۴-۶۵۶م) کے قاتلوں کی طرف سے ان کی تقرری نے ایک عوامی جنگ چھیڑ دی جس نے ہمیشہ کے لئے امت کے اتحاد کو ختم کر دیا۔ جب ۶۶۱م میں (سیدنا) علی (رضی اللہ عنہ) کو شہید کر دیا گیا تو خلافت بنو امیہ (۷۵۰-۶۶۱) کے پاس چلی گئی۔ اس لئے شیعہ (حضرات) کا خیال ہے کہ صرف علوی یعنی (سیدنا) علی (رضی اللہ عنہ) کی اولاد ہی خلافت کا دعوی کر سکتی ہے، اکیلے صرف انہی کا دعوی الہامی طور پر قابل قبول تھا۔ تاہم شیعہ کی نااہلی کی وجہ سے (سیدنا) علی (رضی

اللہ عنہ) کی اولاد میں سے کبھی بھی ایک خاص امیدوار پر متفق نہیں ہوئے۔

مقالہ نگار کی آراء کا جائزہ:

مصنف کا صحابہ کی شان میں برائے نام راشدین کے الفاظ استعمال کرنا نہایت نامناسب اور گستاخانہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تو ایسی جماعت ہے جن کو اللہ تعالی کی طرف سے یہ تمغہ ملا ہے کہ اولئک ھم الرشدون. اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی صحت ایمان اور ان کا ایمان دوسرے لوگوں کے لیے معیار ہونے کے حوالہ سے تفصیلی جواب گزر چکا ہے۔

ق: آگے لکھتا ہے:

پہلی اسلامی صدی میں عرب قبایلئت ابھرتی ہوئی مسلمان خلافت کے لئے ایک مستقل خطرہ بنی تھی۔ موروثی یا حصولی وقار جس کا براہ راست تعلق شجرہ نسب سے تھا، نے عرب قیادت کے نظریہ کی بنیاد بنی۔ رسمی طور پر عددی قوت اور ماضی کے کردار سے طاقت اور حکومت کا بڑا گہرا تعلق تھا۔ ابتدائی مسلمان خلفاء میں سے کسی کو یہ شرف حاصل نہیں تھا صرف (سیدنا) عثمان (رضی اللہ عنہ) کو قبائلی اور اسلامی دونوں طرح کی شہرت ملی۔(سیدنا) عثمان (رضی اللہ عنہ) کی قبائلی اور اسلامی دونوں طاقتوں کو ایک ساتھ استعمال کرنے کا خیر خواہانہ ارادہ ان کی حکومت کے زوال کا سبب بنی۔

مقالہ نگار کی آراء کا جائزہ:

پچھلے صفحات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین کے مقام و مرتبہ کا تذکرہ ہوا ہے کہ وہ کس پایے کے لوگ تھے۔اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر مقالہ نگار کی جانب سے جو اعتراضات وارد ہوئے ہیں ان کا مختصر تذکرہ بمعہ اس کے جوابات کے پیش خدمت ہے مثلاً:

۱۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض یہ تھا کہ انہوں نے اپنے رشتہ داروں کو بڑے بڑے عہدے دئے تھے۔اس کا جواب یہ ہے کہ ان رشتہ داروں میں خود قابلیت اور صلاحیت موجود تھی جو اس قابل تھے کہ یہ عہدہ سنبھال سکے۔اور اس میں کیا قصور ہے کہ آدمی اپنے رشتہ دار یا بھائی کو حاکم بنائے جب اس میں صلاحیت موجود ہو۔[27]

۲۔ کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بیت المال سے اقرباء نوازی کیا کرتے تھے۔اور اس کی مثال افریقہ کے جنگ کی مال غنیمت کی دیتے ہیں جو سراسر ایک بہتان ہے۔ کیونکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے افریقہ کے جنگ جیتنے کے بعد جو خمس عبداللہ بن سعد بن ابی السرح کو عطا کرنے کا فیصلہ کیا تھا وہ بطور انعام تھا اور اس کو جنگ کے اراکین وفد کی مرضی پر منحصر رکھا۔[28]

۳۔ اور مروان کو جو مال غنیمت کے خمس دینے کا اعتراض ہے تو علامہ ابن خلدون فرماتے یں کہ اس کو مروان نے خریدا تھا نہ کہ مروان کو عطا کیا گیا تھا۔[29]

ک: آگے لکھتا ہے:

دسویں صدی کے درمیان خلیفہ اپنی جگہ پر ایک قیدی بن کر رہ گیا تھا، اس کی حکومت اور شان و شوکت اڑ چکی تھی۔۹۹۵اور ۱۰۵۵ م کے

درمیان ایران کے آل بویہ کے شیعہ مذہب کا ایک داعی سنی خلیفہ کو باقی رکھتے ہوئے دار الخلافہ بغداد پر حکومت کرنے لگا، شاید یہ سوچتے ہوئے کہ آسانی سے مڑنے والا یہ کٹھ پتلی اسلام کے اتحاد کی ایک نشانی ہے جو کہ سیاسی طور پر ایک شیعی خلیفہ سے بہت مفید ہے جو اپنی عزت کی بھیک مانگ رہا ہو۔ مزید یہ کہ آل بویہ نے فاطمی شیعہ خلیفہ کو ماننے سے انکار کر دیا جو کہ ۹۰۹م میں شمالی افریقہ کے ساتھ مل گئے تھے اور مسلم دنیا کی یکسانیت کے ساتھ ساتھ جو کہ ان کا خاص مقصد تھا، قاہرہ (۹۶۹م) میں خود کو مضبوط کرنے کیلئے مشرقی حصہ کی ترقی کی تیاریاں کر رہے تھے۔ متشدد شیعہ راج کے طور پر فاطمیوں نے سنی اور جدید شیعہ مسلمان دونوں کو خطرہ میں ڈال رکھا تھا۔

شمالی افریقہ میں شیعہ کی اس حد تک خطرناک موجودگی نے سپین میں اموی حکومت (755م-1031م) کے بقایاجات کو جگا دیا۔ اس سے پہلے بہت ہی کم مرتبے پر خوش رہنے والے اپنے عباسی فاتحین کو نہ پہچاننے کے باوجود، سپین کے اموی اب ۹۲۹م میں قرب وجوار کے سنیوں کی وجہ سے خلافت کا دعویٰ کرنے لگے۔ یکے بعد دیگرے دو سنی خلفاء کی موجودگی ان مذہبی علماء کو ایک خطرہ فراہم کر رہے تھے جو کہ اپنے سیاسی نظریے کو اصل تاریخی سلسلے کے ساتھ یکجا کرنے کی طرف مائل تھے۔ مثلاً ابو منصور عبد القاہر البغدادی (۱۰۲۷م) نے دعوی کیا کہ اگر ایک سمندر کو چاہیئے کہ وہ امت کو دو الگ الگ حصوں میں تقسیم کر دے، دوسرا خلیفہ پھر بدقسمتی سے قابل قبول ہوگا۔ اس نظریے کی سختی سے تردید کی گئی حتی کہ ماہر فقیہ ابو الحسن الماوردی (۱۰۵۸م) کی جانب سے بھی جو کہ خلافت کے استحقاق کی کمزوری کو بالکل نظر انداز کئے ہوئے تھے۔

اگر اس طرح کہا جائے کہ نجات ترک سلجوق[30] کی شکل میں آیا، وسط ایشیا کے قبائل جو خلیفہ پر خود کو غالب رکھتے ہوئے اپنے آپ کو سنی مذہب کے چیمپیئنز بتا رہے تھے، انھوں نے گیارہویں صدی میں سیاسی شیعہ ازم کے رجحان کو دہرا دیا۔ اب اس گاڑی میں ایک نیا اثر آیا جو کہ خلافت کے نظریے کو نقصان پہنچا رہا تھا: ایشیا کے وسیع صحراؤں کے گڈریوں کے بیچ دنیا پر غالبیت کے نظریے نے پرورش پائی۔ ابتدائی سلجوق کے ساتھ ساتھ یہ فکر اپنی پوری شدت کو ساتھ لے کر کافر منگول تک پہنچا جو کوئی بھی حریف جان پر کھیل کر بھی برداشت نہ کر سکتے تھے، منگول خانان کی قسمت میں زمین پر حکومت لکھی تھی۔ ۱۲۵۸م میں بغداد پر ان کے حملے نے کلاسیکی خلافت کو ختم کر دیا۔

مقالہ نگار کی آراء کا جائزہ:

خلافت راشدہ کے خاتمے کے بعد عربوں کی قائم کردہ دو عظیم ترین سلطنتوں میں سے دوسری سلطنت خلافت عباسیہ کہلاتی ہے۔ جس کا قیام ۷۵۰م (۱۳۲ھ) میں عمل میں آیا اور ۱۲۵۸م (۶۵۶ھ) میں اس کا خاتمہ ہو گیا۔ یہ خلافت ایک تحریک کے ذریعے قائم ہوئی جو بنوامیہ کے خلاف تھی۔ تحریک نے ایک عرصے تک اپنے مقاصد کے حصول کے لیے جدوجہد کی اور بالآخر بنوامیہ کو شکست دینے کے بعد برسر اقتدار آگئی۔ عباسیوں کی حکومت بھی امویوں کی طرح شخصی اور موروثی تھی اور ولی عہدی کا بھی وہی طریقۂ کار تھا جو بنوامیہ نے اختیار کیا ہوا تھا۔ خاندان عباسیہ نے دار الحکومت دمشق سے بغداد منتقل کیا اور دو صدیوں تک مکمل طور پر عروج حاصل کیے رکھا۔ زوال کے آغاز کے بعد مملکت کئی حصوں میں تقسیم ہو گئی جن میں ایران میں مقامی امراء نے اقتدار حاصل کیا اور مراکش اور افریقہ اغالبہ اور فاطمیوں کے زیر

اثر آگئے۔ عباسیوں کی حکومت کا خاتمہ ۱۲۵۸ء میں منگول فاتح ہلاکو خان کے حملے کے ذریعے ہوا۔ تاہم خلیفہ کی حیثیت سے ان کی حیثیت پھر بھی برقرار رہی اور مملوک سلطان ملک بیبرس نے خاندان عباسیہ کے ایک شہزادے ابوالقاسم احمد کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس کے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کیا۔ اس طرح خلافت بغداد سے قاہرہ منتقل ہوگئی تاہم یہ صرف ظاہری حیثیت کی خلافت تھی، تمام اختیارات مملوک سلاطین کو حاصل تھے۔ عثمانیوں کے ہاتھوں مملوکوں کی شکست کے بعد عباسیوں کی اس ظاہری حیثیت کا بھی خاتمہ ہوگیا اور خلافت عباسیوں سے عثمانیوں میں منتقل ہوگئی۔

نتائج بحث:

خلافت کے حوالے سے موصوف مقالہ نگار کے مقالہ کا تحلیلی و تنقیدی مطالعہ کرنے کے بعد ہم اس سے چند نکات اخذ کر سکتے ہیں جو درج ذیل ہیں:

1. مقالہ نگار کا علمی استعداد نہایت کمزور ہے اور بعض اوقات اسلام کے حوالے سے فراہم کردہ معلومات غیر محقق، سطحی اور ناقص و ناکافی ہوتے ہیں جس کی نشان دہی ہم نے وقتاً فوقتاً کی ہے مثلاً خلافت کے موضوع میں بہت سے مقامات پر یہ مسئلہ موجود ہے۔
2. اسلام کے حوالے سے اس کا نظریہ متعصبانہ ہے اور غیر جانبداری سے کام نہیں لیا ہے۔
3. اصل اسلامی نظریہ کی مکمل منظر کشی نہیں کی گئی ہے بلکہ ایک ہی موضوع کبھی اعتراف حق کر دیتے ہیں تو اگلی جگہ اس کا الٹ لکھ کر شاید پہلی کی ہوئی بات کو بھول جاتا ہے۔
4. اصل اسلامی مصادر سے حوالہ بہت کم دیا ہے اگر کہیں پر حوالہ دینے کی سعی کی ہے تو بھول کر یا عمداً اس میں غلطی کر جاتا ہے۔
5. درج بالا نتائج کی روشنی میں بات مسلم بن جاتی ہے کہ اس انسائیکلوپیڈیا کو جو اہمیت دی جا رہی ہے یہ چنداں اس قابل نہیں کہ ان تمام خامیوں کے باوجود، بلا کسی تحقیق کے اس کی فراہم کردہ معلومات پر یقین کیا جائے۔

حوالہ جات و حواشی

1. Jones, L. (2005). Encyclopedia of religion (Vol. I) p. xxi. Detroit: Macmillan Reference USA
2. سعد الدین تفتازانی، شرح المقاصد، ص۱۰۸
3. سعد الدین تفتازانی، شرح المقاصد، ج۳، ص۴۶۹
4. الاحکام السلطانیہ، علی بن محمد الماوردی، ص۵
5. غیاث الامم فی التیاث الظلم، ابوالمعالی عبدالملک الجوینی، ص۱۵
6. المقدمہ، ابنِ خلدون، ج۱، ص۱۹۰
7. صحیح البخاری، امام بخاری، رقم الحدیث ۳۴۶۱، ۷۱ وسنن الترمذی، امام ترمذی، رقم الحدیث ۲۶۶۹، ۳۳۴
8. سورۃ التوبہ ۹: ۱۲۲

9. سورۃ الحُجُرات ۴۸: ۰۳
10. سورۃ الفتح ۴۹: ۱۸
11. سورۃ التحریم ۶۶: ۰۸
12. سورۃ التوبہ ۹: ۱۰۰
13. سورۃ الحدید ۵۸: ۱۰
14. سورۃ الانبیاء ۲۱: ۱۰۱
15. سورۃ سبا ۳۴: ۲۸
16. سورۃ الاعراف ۷: ۱۵۸
17. سورۃ الفرقان ۲۵: ۰۱
18. صحیح البخاری، امام بخاری، رقم الحدیث: ۷۴، ۳۳۵، ۴۳۸؛ صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۳۷۲، ۵۲۳
19. سورۃ النحل:44
20. سورۃ النساء ۴: ۶۵
21. سورۃ التوبہ ۹: ۱۱۹
22. شرح العقائد النسفیہ، ص: ۱۵۳، ۱۵۴، ۳۱۰، ۳۱۱
23. حاشیہ ابنِ عابدین مع الدر المختار، ج ۲، ص ۳۳۳؛ الفصل فی الملل والاہواء والنحل، ج ۴، ص ۸۷؛ مقدمہ ابنِ خلدون، ص ۱۹۱؛ الاحکام السلطانیہ للماوردی، ص ۵
24. صحیح البخاری، باب الخوخۃ والممر فی المسجد، رقم الحدیث: ۴۶۷
25. صحیح البخاری، باب اہل العلم والفضل احق بالامامۃ، رقم الحدیث: ۶۶۴، ۷۳۰۳، ۳۳۸۵، ۶۸۲، ۶۷۸
26. تاریخ طبری، ج ۳، ص ۲۰۸، ۲۰۹
27. العواصم من القواصم، ابن العربی، ص ۹۹
28. تاریخ طبری، ج ۳، ص ۳۱۲
29. تاریخ ابن خلدون، ابن خلدون، ج ۲، ص ۱۲۹
30. ترک سلجوق ۴۳۰ ہجری کو خراسان میں داخل ہوئے۔ ان کا پہلا بادشاہ تغرالبک السلجوق تھا۔ [البدایۃ والنھایۃ، ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۵۶]